اسلامی اذکار و دعائیں!

احکام و فضائل

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی
رئیس تخصصِ علومِ حدیث، جامعہ بنوری ٹاؤن

روحانی زندگی کی بقا و اصلاح:

انسان کی روحانی زندگی کی بقاء و اصلاح کے لئے دو چیزوں کی اصلاح نہایت ضروری ہے: ۱:......صحتِ عقیدہ۔ ۲:......صحتِ عمل۔

انسان ان دونوں چیزوں کی اصلاح میں درماندہ و عاجز ہے، کیونکہ بُرے کاموں سے بچنا اور نیک کام کرنا اللہ تعالیٰ کی نصرت و ہدایت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لئے شریعت نے تعوذ اور بسم اللہ کی تعلیم دی ہے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنے کے لئے ادعیہ و اذکار کا ایک مستقل نظام قائم کیا، جو روحانی ترقی کا نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ہے، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا گیا ہے۔ اسلامی عبادات کا مرکز و محور ”ذکر اللہ“ ہے، اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے اہم رکن نماز ہے، قرآن نے اس کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ“۔ (طٰہٰ:۱۴) یعنی ”میری یاد کیلئے نماز پڑھا کرو“۔

اقامتِ صلوٰۃ کا مقصد یادِ الٰہی کو دل میں تازہ رکھنا ہے۔ اسی طرح اسلام کا اہم رکن حج ہے، اُس کا آغاز ہی تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید سے ہوتا ہے۔ طواف و عمرہ اذکار و ادعیہ پر مشتمل ہے۔ حج کا اہم رکن قیامِ عرفات ہے، اس میں سارا زور اذکار و ادعیہ پر دیا گیا ہے، اس کے لئے میدانِ عرفات میں نماز میں تقدم و تاخر کیا گیا ہے، جس سے اسلام میں اس کی اہمیت ظاہر و باہر ہے۔

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کے الفاظ کو نقل کیا، اُن کے دعا مانگنے کے اسلوب اور طور طریقہ کو بیان کیا، دعا کے آداب کی طرف رہنمائی کی، نیز اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ دعا بنی نوعِ انسان کا ایک فطری عمل ہے جو آڑے وقت اور مشکلات میں پوری طرح جلوہ

گر ہوتا ہے۔ شریعت چاہتی ہے کہ یہ فطری عمل عیش وطیش، رنج وراحت، سود وزیاں، خوشی وناخوشی، نرمی وگرمی، تنگدستی وخوشحالی، عزّت وذلّت ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

دعا اپنے خالق ومالک سے براہِ راست تعلق وقرب کا نہایت کامیاب اور سب سے زیادہ زوداثر اور نہایت مجرب عمل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں دعا مانگنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات جو مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے اور اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ ''دعا'' آپ ﷺ کی زندگی کا نہایت روشن باب ہے، آپ ﷺ کی ادعیۂ ماثورہ اصحابِ فکر ونظر وارباب صدق وصفا کا نظری وعملی دونوں اعتبار سے نہایت پسندیدہ موضوع رہی ہیں۔

مفسّرین، محدثین، فقہاء ومتکلمین، صوفیہ وادباء، ائمہ لغت، مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اس موضوع سے اعتناء کیا۔ چنانچہ کسی نے رسالت مآب ﷺ کی دعاؤں کو اپنی سندوں سے جمع کیا، کسی نے ان کے مطالب ومعانی کی وضاحت کی اور موقع ومحل کو بیان کیا، کسی نے توبہ واستغفار پر کلامی نقطۂ نظر سے بحث کی، کسی نے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی، کسی نے ان کی نحوی ترکیب سے اعتناء کیا، کسی نے اس امر پر روشنی ڈالی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کیا کیا دعائیں مانگیں، حج میں کس موقعہ پر کن الفاظ میں اللہ کے حضور التجا کی، نمازِ جنازہ وتشہد وتہجد میں کیا کیا دعائیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ جنگ وغزوات میں کس موقعہ پر کن الفاظ میں اپنے رب کو یاد کیا، خوشی کے موقعہ پر اپنے رب کو کن الفاظ میں پکارا اور مصیبت میں کن الفاظ سے التجاء کی۔ صوفیہ نے اپنے تجربات والہامات سے ان دعاؤں کو احزاب واوراد میں تقسیم کیا، جو احزاب واوراد کے نام سے معروف ومشہور ہیں۔ بعض نے ان کے خواص واثرات کو موضوعِ بحث بنایا، اور اس موضوع پر کتابیں تالیف کیں۔ کسی نے دعا کی حقیقت کو بتایا اور اس کی قبولیت کی شرائط پر روشنی ڈالی۔ اس طرح دعا کے گوناگوں پہلو زیرِ بحث آتے رہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ادعیہ واذکار کے نظام کو نہایت بلند مقام حاصل ہے۔ کتبِ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جن الفاظ سے دعائیں اور اذکار حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، وہ سب الہامی اور توقیفی ہیں۔ ان الفاظ سے مانگنا اجر وثواب کا موجب اور بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب ومقبول ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ المتوفی ۹۱۱ھ نے ''تدریب الراوی'' میں تصریح کی ہے کہ دعائیں توقیفی (الہامی) ہیں:

''ألفاظ الأذكار توقيفية '' (ص:۴۰۶)۔ ترجمہ: ''اذکار اور دعاؤں کے الفاظ الہامی ہیں (یعنی اُنہی الفاظ میں اُنہیں پڑھنا چاہئے)''۔

ذکر و دعا پر اطمینانِ قلب کا الٰہی وعدہ:

اس دور میں جہاں ہر طرف سامانِ عیش وطرب کی فراوانی ہے، خوش دلی وخوش حالی کا سامان بکثرت موجود اور بآسانی دستیاب ہے، زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی راہیں کشادہ ہیں، پھر بھی دنیا میں ہر جگہ معاشرہ گھٹن کا شکار ہے، اور اطمینانِ قلب کی دولت کا کہیں سراغ نہیں، اس کے حصول کے لئے اجتماعی اور انفرادی جو بھی کوشش ممکن ہے برابر جاری ہے، لیکن تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ اسلام کے نظامِ اذکار وادعیہ سے بے رغبتی، غفلت و دوری ہے۔ دنیا میں غفلت و دوری کا یہ پردہ ہی وہ پردہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور یادِ الٰہی سے دور رکھتا ہے، دینِ حق قبول کرنے، دعوتِ حق کو سننے سے مانع ہے، اور آخرت میں انسان کو جہنم کا ایندھن بناتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا". (الکہف:۱۰۱)

ترجمہ:۔ "جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میرے ذکر کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے"۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد ہی وہ بنیاد ہے جس سے بندے کا رشتہ اللہ سے جڑتا اور قائم رہتا ہے، قرآن کہتا ہے:

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (سورۃ الرعد: ۲۸)

ترجمہ:۔ "یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں، اور جن کے دِل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔

ذکر کے بھی درجات ہیں، جس درجہ کا ذکر ہوتا ہے، اُسی درجہ کا اطمینان ہوتا ہے، ذکر کی خاصیت ہی اطمینانِ قلبی ہے۔ جو ذکر اللہ سے جُڑتا اور استوار ہوتا ہے، اُس کا ہر لمحہ عبادت میں گزرتا اور وہ ہر حال میں خوش رہتا ہے۔ یہ اسلام کا ایسا نظریۂ حیات ہے، جس کی مثال عالم کے مذاہب میں ملنی مشکل ہے۔ اس نظام کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے کہ بندہ کی زبان ہمہ وقت ذکر اللہ سے تر رہتی، دل اللہ کی یاد سے آباد اور قناعت وغنا کی دولت سے ہمیشہ سرشار رہتا ہے۔ سخت سے سخت گھڑی اور کٹھن سے کٹھن منزل پر جزع وفزع، گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہوتی، اس کا سکون و اطمینان برقرار رہتا ہے، اس لئے کہ اس کا دل اور زبان یادِ الٰہی سے معمور ہے۔ اذکار وادعیہ کا

اسلامی نظام اس نوع کی زندگی بناتا اور سنوارتا ہے کہ ہر لمحہ اور ہر آن عبادت میں گزرتا اور وہ اطمینانِ قلب کی لذت سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

عالمِ اسباب میں دُعا:

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے، یہاں ہر کام کسی وجہ سے ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر کام سلسلۂ اسباب کی ایک کڑی ہے، ہر ایک واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اِس کا انکار گویا قانونِ فطرت کا انکار ہے۔ البتہ اسباب کی پابندی سے کامیابی کا یقین نہیں ہوتا۔ اسباب بذاتہا اگر مؤثر ہوتے تو مطلوبہ نتیجہ ضرور حاصل ہوتا، ایسے ہی موقعہ پر انسان اپنے آپ کو عاجز پاکر مسبب الاسباب کی طرف لوٹتا اور اُسے پکارتا ہے، اور وہ اس کی مراد کو پورا کرتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ کائنات کا سارا نظام اللہ کے علم وارادہ اور قدرت وحکمت کے ماتحت چل رہا ہے۔

دُعا ایک تدبیر وسبب ہے، اور سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ اسباب کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہوتا، گو اس کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ کبھی وہ سبب کے بغیر بھی مراد بَر لاتا ہے، مگر ایسا بھی اس کی حکمت ومصلحت سے ہوتا ہے۔ سلسلۂ سبب ومسبب کا نام حکمت ہے۔

اُمتِ مسلمہ کا مذہب یہ ہے کہ ''دُعا''، ''توکل'' اور ''عمل صالح'' دنیا وآخرت کے مقاصد کے حاصل کرنے میں ایک سبب کی حیثیت رکھتے ہیں اور معاصی سے بچنے کا ذریعہ ہیں۔ جو حکم کسی سبب سے وابستہ ہوتا ہے، اس کے پورا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی شرائط کو پورا کیا جائے، اور موانع اور رکاوٹوں کو دور کیا جائے، پھر مسبَب پایا جائے گا، ورنہ نہیں۔

نظامِ عبادت میں اذکار اور دعائیں:

اسلام میں ادعیہ واذکار کا نظامِ عبادت دوسری اسلامی عبادات کی طرح مخصوص شرائط، اوقات ومقامات کے ساتھ وابستہ اور خاص نہیں ہے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ میں وقت، مقام، ہیئت اور شرائط ضروری قرار دی گئی ہیں، اس طرح کی شرائط اذکار اور دعاؤں کے نظام میں لازمی اور ضروری نہیں۔ ابن ابی حاتمؒ، ابن المنذرؒ اور ابن جریرؒ نے بواسطۂ علی بن ابی طلحہ الہاشمیؒ التوفی ۱۴۵ھ ترجمان القرآن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی عبادت فرض نہیں کی، مگر اس کے لئے حد مقرر ومتعین کی ہے (یہ مقررہ حد وقت، مقام، ہیئت وشرائط سے عبارت ہے)، پھر حالتِ عذر میں انہیں مہلت دی ہے، سوائے ذکر ودعا کے کہ اللہ تعالیٰ

نے ذکرودعا کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی جس پر وہ ختم ہوتی ہو، اور اُسے چھوڑ دینے میں کسی کو معذور قرار نہیں دیا، مگر اس کو جو اپنی عقل وفہم ہی کھو بیٹھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: ''اُذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ'' کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو۔ رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، سفر میں، وطن میں، تنگدستی میں، تونگری میں، تندرستی میں، بیماری میں، چھپے اور کھلے، ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو، اس سے دُعا مانگو''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں دو قسم کی عبادات ہیں، ایک وہ عبادات ہیں جو خاص وقت، خاص مقام، خاص ہیئت اور خاص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ دوسری وہ عبادات ہیں، جن میں اس نوع کی کوئی شرط وقید نہیں، یہ اذکار اور دعائیں وہ ہیں جن کا نفع عام وتام ہے۔

دُعا کے معنی:

دُعا کے معنی لُغت میں بُلانا، پُکارنا، یاد کرنا ہیں، لیکن عرف اور شریعت میں اس سے خاص معنی مُراد ہیں، علامہ سیّد مرتضیٰ بلگرامی ثم زبیدیؒ ''تاج العروس'' میں رقمطراز ہیں:

''الدعاء: الرغبة إلى الله فيما عنده من الخير، والابتهال إليه بالسؤال. ومنه قوله تعالى: ''اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَةً. إِنَّهٗ لاَ یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ.'' (الأعراف:۷)

ترجمہ:۔'': دُعا کے معنی: اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ خیر اور بھلائی ہے اس کی خواہش ورغبت کرنا اور اس کے سامنے عاجزی و نیازمندی سے سوال کرنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اپنے پروردگار سے دُعا کرو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے، بیشک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

دُعا میں مُراد کا حاصل ہونا بھی مطلوب ومقصود ہوتا ہے، اس لئے اس کے جواب میں اجابت کا لفظ آتا ہے کہ جس مقصد کے لئے درخواست کی گئی تھی وہ قبول ہوگئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَکُمْ''. (المؤمن:۶۰)

ترجمہ:''اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا''۔

حقیقتِ دُعا:

امام فخرالدین رازیؒ تفسیرِ کبیر، ج::۲،ص:۹۲۱ میں لکھتے ہیں:

''حقيقة الدعاء استدعاء العبد ربه جلّ جلاله العناية و استمداده إياه المعونة''.

ترجمہ:''دُعا کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے مدد اور رحمت وعنایت کا طلبگار رہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے مفہوم میں بہت وسعت ہے، اپنے دینی و دنیوی مطالب، زبان سے، دل سے، یا حال سے پیش کرنا، تسبیح وتہلیل کرنا، یادِ الٰہی میں لگے رہنا بھی دعا کے مفہوم میں داخل ہے۔ اصل عبادت یہ ہے کہ بندہ کی ہر ادا سے یہ ظاہر ہوتا رہے کہ یہ بندہ ہے اور وہ رب ہے، یہ مخلوق ہے اور وہ خالق ہے، یہ محتاج ہے وہ غنی ہے، یہ عاجز ہے وہ قادر ہے، جو اس امر سے گریز کرتا ہے، وہ دُعا کو مؤثر نہیں سمجھتا اور نہ وہ اپنے آپ کو ''عبد'' اور ''رب الارباب'' کو ''رب'' مانتا ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

''وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ. إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ''. (المؤمن:۵۹)

ترجمہ:۔'' اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

حدیث میں آتا ہے: ''**الدعاء هو العبادة**''۔ (ق، ع) یعنی ''دعا اصلِ عبادت ہے''۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے: ''**الدعاء مخ العبادة**''۔ دُعا مغزِ عبادت ہے۔

اہل سنت (اشاعرہ وماتریدیہ) کا دعا کے متعلق عقیدہ:

دُعا کی اہمیت وافادیت کو اور اس حقیقت کو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت وارادہ میں آزاد ہے، تسلیم کرتے اور اس امر کے قائل ہیں کہ دُعا کو قبول کرنا اور اس کا رد کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ان کے یہاں نمازِ جنازہ کی حیثیت ایک دُعا کی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کی جاتی ہے اور مغفرت اُس کی رضا پر موقوف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ دُعا کی اہمیت وافادیت کو مانتے ہیں۔ انہی وجوہ سے وہ کسی جائز سبب کی وجہ سے بددُعا کی ضرر رسانی سے انکار نہیں کرتے، وہ اس امر کے قائل ہیں کہ مظلوم کی بددُعا قبول ہوتی ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

انفرادی واجتماعی دعا کی اقسام:

دعائیں بھی دو قسم کی ہیں: ۱:......انفرادی۔ ۲:......اجتماعی۔

انفرادی:

وہ دعائیں ہیں جن میں واحد متکلم کے صیغے اور ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ ان کا تعلق فرد واحد کی اپنی اصلاح وفلاح، کامیابی وکامرانی، حاجت روائی وکاربرآری ومغفرت ومعافی سے ہے۔

اجتماعی:

وہ دعائیں ہیں جن میں جمع متکلم کے صیغے اور ضمیریں آتی ہیں، ان دعاؤں میں اجتماعی شان مضمر ہے، پوری امت اس میں شریک ہوتی ہے، اسلامی معاشرہ کے تمام افراد اس میں داخل ہیں۔

حیثیت کے اعتبار سے دعا کی چار قسمیں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے دعا کی چار قسمیں بیان کی ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''دعا کی چار قسمیں ہیں: اول: دعائے فرض، مثلاً نبی کو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے لئے ہلاکت کی دعا کرے، بس اسے یہ دعا کرنا فرض ہے۔ دوم: دعائے واجب، جیسے دعائے قنوت۔ سوم: دعائے سنت، جیسے بعد تشہد اور ادعیہ ماثورہ۔ چہارم: دعائے عبادت، جیسا کہ عارفین کرتے ہیں اور اس سے محض عبادت مقصود ہے، کیونکہ دعا میں تذلل (عجز وانکساری کا اظہار) ہے اور تذلل حق تعالیٰ کو محبوب ہے۔

نظامِ اذکار وادعیہ کی غایت:

نظامِ اذکار وادعیہ کی غایت یہ ہے کہ ''اللہ کا ذکر'' اللہ کی یاد اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے دل ودماغ میں ایسی رچ بس جائے کہ اس کی کوئی حرکت اللہ کی یاد سے خالی نہ ہو۔ وہ کام کرے گا "بسم اللہ" پڑھ کر کرے گا، ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کرے گا، ہر کوتاہی اور قصور پر اس کے آگے معافی مانگے گا، حاجت کے وقت اس کے حضور میں ہاتھ پسارے گا، ہر مشکل میں اس کو پکارے گا، ہر مصیبت میں'' إنــا للہ '' کہے گا، کبریائی وعظمت کے موقعہ پر بے ساختہ اس کے منہ سے ''اللہ أکبر '' نکلے گا، ہر معاملہ میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے گا، کوئی بُری بات کان میں پڑے گی وہ ''معاذاللہ'' اور'' نعوذباللہ '' کہے گا، ہر نامناسب بات پر''لاحـول ولاقوۃ إلّاباللہ '' کے الفاظ اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے، اٹھتے بیٹھتے ہر کام اور ہر بات پر"الـحـمـدللہ"، "سبـحـان اللہ"، "مـاشاء اللہ"، ''إن شآء اللہ '' جیسے بابرکات کلمات اس کی زبان سے ادا ہوتے رہیں گے۔ یہ اللہ سے اس کی محبت وتعلق کا نہایت بیّن ثبوت ہوگا۔ ''ذکر اللہ '' کرنے والوں کی شان یہ ہے کہ دنیا کے معاملات اور تجارت میں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی دل اُن کے کہیں اور ہی اَٹکے ہوتے ہیں، نہ ان سے فرائض کی ادائیگی میں غفلت ہوتی ہے اور نہ وہ ادائے حقوق میں سستی کرتے ہیں۔ ان کی زبان "بارک اللہ !''، "یرحمک اللہ' '، "یغفراللہ"، "رحمۃ اللہ" ، "واللہ، باللہ، إلااللہ" اور اردو میں ''اللہ کی رحمت ہو''، ''اللہ ہدایت دے''، ''اللہ برکت دے''، ''اللہ صحت دے''، ''اللہ رکھے''، ''اللہ عافیت دے''، ''اللہ خیریت سے پہنچائے''، ''اللہ توفیق دے''، ''اللہ خیر کرے''،

''اللہ بخشے''، ''اللہ رحم کرے''، ''اللہ معاف کرے''، ''اللہ کی پناہ'' وغیرہ جملوں سے تر رہتی ہے۔

صوفیہ کے اوراد واذکار:

صوفیہ کا طریقۂ سلوک، اوراد واذکار اور اشغال واعمال کا دستور العمل جو اصلاحِ اعمال واحوال کا کامیاب تجرباتی طریقۂ کار ہے، اس نظام کا ایک حصہ ہے، چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ آیۂ شریفہ: ''وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ''. (المزمل:۸) ۔''اور آپ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو''۔ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

> ترجمہ:۔''یعنی آپ اپنے پروردگار کا نام ہمیشہ یاد کرتے رہیں، ہر وقت اور ہر کام میں اور ہر عبادت کے ساتھ خواہ اس کے اثناء میں ہو، اور خواہ اس کے اول وآخر میں، خواہ زبان سے ہو، خواہ لطیفۂ قلب سے اور خواہ روح سے اور خواہ سری ہو، خواہ خفی اور خواہ اخفی، اور خواہ نفس سے ہو، خواہ دن میں ہو، خواہ رات میں، ذکرِ لسانی سراً ہو یا جہراً، اور چاہے پوشیدہ ہو، اور پروردگار کا نام خواہ اسمِ ذات ہو یا اسمِ اشارہ ''ھو'' سے ہو یا اسماءِ حسنیٰ میں سے کسی ایک نام سے ہو، جو نام سالک کی ذات اور اس کے حال اور وقت کے زیادہ مناسب ہو، پھر اسمِ ذات یا کلمہ طیبہ کے ضمن میں نفی واثبات کے ساتھ، خواہ ''سبحان اللّٰہ''،''الحمد للّٰہ''،''اللّٰہ أکبر'' اور''لاحول ولاقوۃ إلاباللّٰہ'' کے ساتھ اور دوسرے مسنون اذکار کیساتھ ہو، اور خواہ کیفیتِ ذکر یک ضربی ہو خواہ دوضربی، یا اس سے بھی زیادہ، خواہ حبسِ نفس کے ساتھ ہو یا حبسِ دم کے بغیر، برزخ کے بغیر ہو یا برزخ کے ساتھ، خواہ سہ رکنی ہو یا ہفت رکنی، خواہ شرائطِ عشرہ کے ساتھ ہو (یعنی شد، مد، تحت، فوق، محاربہ، مراقبہ، محاسبہ، مواعظ، تعظیم اور حرمت) یا ان شرائط وغیرہ کے بغیر دوسری خصوصیات کے ساتھ ہو جو ماہرینِ اہلِ طریقت کی وضع واستنباط کی ہوئی ہیں۔ قرآن کہتا ہے:
> ''اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔'' (الأنبیاء:۷)

دس کلماتِ اذکار کا تذکرہ جن کا ہر شریعت میں رواج ومعمول رہا:

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ایسے دس کلماتِ اذکار کے متعلق تفسیر ''فتح العزیز'' میں رقمطراز ہیں:

''دریں جا باید دانست کہ اذکارِ عشرہ کہ تسبیح وتحمید وتکبیر وتہلیل وتوحید وحوقل وحسبلہ

وبسملہ واستعانت وتبارک است، ودر ہر شریعت صیغ مختلفہ آنہا رائج ومعمول است‘‘۔
ترجمہ:۔ ’’یہاں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اذکارِ عشرہ (۱) ’’سبحان اللہ‘‘ کہنا (۲) ’’الحمد للہ‘‘ کہنا (۳) ’’اللہ أکبر‘‘ کہنا (۴) کلمہ ’’لاإلہ إلا اللہ‘‘ پڑھنا (۵) ’’وحدہ لاشریک لہ‘‘ کہنا (۶) ’’لاحول ولاقوۃ إلا باللہ‘‘ کہنا (۷) ’’حسبنا اللہ‘‘ کہنا (۸) ’’بسم اللہ الرحمن الرحیم‘‘ کہنا (۹) اللہ تعالیٰ سے استعانت مانگنا (۱۰) برکت مانگنا، مذکورہ بالا دس کلمات ہر شریعت میں مختلف الفاظ اور صیغوں کے ساتھ رائج اور قابلِ عمل ہیں‘‘۔

دُعا مانگنے کا سادہ اور آسان طریقہ:

دُعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے، پھر رب العالمین کے حضور میں عرض مدعا کیا جائے، اس انداز سے جو دُعا کی جائے گی وہ قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ (ابوبکر الجصاص، احکام القرآن: ۱/۴۲)

دعا نہایت عاجزی وانکساری سے کرنی اور خاموشی سے مانگنی چاہئے، اس طرح دکھاوے اور شہرت کا خطرہ نہیں رہتا۔ خاموشی سے دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ دعا میں خوف وطمع دونوں ہونی چاہئیں، قبولیت کی امید اور گناہوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے رد ہونے کا کھٹکا رہنا چاہئے۔ ناامیدی بھی کفر ہے، اور بے جا اعتماد اور گھمنڈ بھی اچھا نہیں۔

دعا اور تعوذ کی مثال:

ادعیہ وتعوذاتِ ماثورہ ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہتھیار کی قدر وقیمت چلانے والے سے ہوتی ہے، اس کی دھار سے نہیں، اس میں کامیابی کے لئے حسبِ ذیل تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:
۱...... ہتھیار درست ہو۔ ۲...... چلانے والے کے ہاتھوں میں جان ہو، سوجھ بوجھ بھی اچھی ہو۔ ۳...... کسی قسم کی رکاوٹ بھی موجود نہ ہو، پھر نتیجہ صحیح نکلتا ہے۔ مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو نتیجہ صحیح نہیں نکلے گا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ: ۱...... دعا کے الفاظ صحیح یاد ہوں۔ ۲...... دعا مانگنے والے کے دل وزبان میں موافقت ہو، جو زبان سے ادا ہو دل بھی اس کا ہمنوا ہو۔ ۳...... کوئی اور چیز قبولیتِ دعا سے مانع موجود نہ ہو، پھر نتیجہ صحیح برآمد ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔

تین طریقوں سے دعاؤں کا آغاز:

دعاؤں کا آغاز تین طریقوں سے کیا جاتا ہے اور یہ تینوں طریقے مسنون دعاؤں میں

پائے جاتے ہیں، ان میں کون سا طریقہ سب سے بہتر ہے؟ اس کی طرف علامہ ابن القیم الجوزیؒ نے اشارہ کیا ہے، چنانچہ وہ "التفسیر القیم" میں رقم طراز ہیں:

"دعائیں تین طرح سے مانگی جاتی ہیں:

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اسماء وصفات کا واسطہ دے کر دُعا مانگی جائے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الأعراف:۱۸۰)

ترجمہ: "اور اسماءِ حسنیٰ (اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں، اُسکو اُنہی ناموں سے پکارو"۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ اسماءِ حسنیٰ میں سے کسی اسم کا ورد تکرار کی وجہ سے ذکر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، یا پھر دعا کی صورت اختیار کر جاتا ہے، اس لئے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا ہر نام دعا گو کی کسی ضرورت سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرے: یہ کہ تم اپنی حاجت، درماندگی، ذلت و عاجزی کا اظہار کرو اور سائل بن کر مانگو، جیسے یوں کہو: "أَنَا الْعَبْدُ الْفَقِيْرُ الْمِسْكِيْنُ الْبَائِسُ الْمُسْتَجِيْرُ"۔ وغیرہ۔

تیسرے: یہ کہ تم اس کے آگے ہاتھ پسارو، اس سے التجاء اور درخواست کرو، لیکن جو حاجت ہے، اُس کا ذکر نہ کرو۔

پہلی قسم، دوسری قسم سے زیادہ بہتر و زیادہ کامل ہے، اور دوسری قسم، تیسری سے زیادہ اچھی اور کامل تر ہے۔ جس دعا میں یہ تینوں باتیں جمع ہو جائیں، وہ ان میں سب سے زیادہ کامل و جامع طریقۂ دعا ہے۔"

رسالتِ مآب ﷺ کی دعاؤں میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاؤں میں بھی یہ تینوں خوبیاں یکجا موجود ہیں، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْماً كَثِيْراً"..... "اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ہی ظلم ڈھایا ہے"۔ یہ تو سائل کا حال ہے۔ پھر جس سے درخواست کی جارہی ہے، اُس کی صفت کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے: "وَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ"..... "اور بے شک تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں"۔ پھر فرمایا: "فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ"..... "سو آپ اپنی طرف سے مجھے بخش دیجئے"۔ اس جملے میں اپنی حاجت کا ذکر ہے، اور دعا کا خاتمہ دو اسماء حسنیٰ "غفور" اور "رحیم" پر کیا گیا جو مطلوب کے مناسب اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والے

ہیں، چنانچہ خاتمۂ دعا میں کہا گیا ہے: ''إِنَّکَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ''۔... ''بلاشبہ آپ ہی بخشنے والے مہربان ہیں''۔

لفظ ''اَللّٰھم'' سے دعاؤں کا آغاز:

اکثر و بیشتر دعاؤں کا آغاز ''اللّٰھم'' کے لفظ سے ہوتا ہے۔ مشہور تابعی و نامور محدث ابو رجاء عمران بن ملحان عطاردیؒ المتوفی ۱۰۵ھ کا قول ہے کہ: ''أَللّٰھم'' کے لفظ میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کے اسرار جمع ہیں۔ مشہور امامِ لغت نضر بن شمیل بصریؒ المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں: ''اَللّٰھمَّ'' اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کا جامع ہے۔

دعا میں حضورِ قلب:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ''مہمات الدعاء'' میں رقمطراز ہیں:

''صرف زبانی دعا کہ آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا، نہ خشوع نہ خشیت، نہ دل میں اپنی عاجزی کا تصور، یہ خالی از معنی دعا کیا ہوئی؟''۔

دعا میں جب تک کہ پورے طور پر قلب کو حاضر نہ کرے گا اور عاجزی اور فروتنی کے آثار اس پر نمایاں نہ ہوں گے، ایسی دعا، دعا نہیں خیال کی جاسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قلب کی حالت کو دیکھتے ہیں۔

یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہئے کہ حصول مقصد کے لئے موقع و محل کے اعتبار سے صحیح تدبیر اختیار کرنا لازمی امر ہے۔ جنگِ بدر کے موقع پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری بھی کی اور دُعا بھی مانگی، اس طرح ہر مسلمان کے لئے زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ان دونوں باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس زمانے میں خواتین اور مرد سب ہی تعویذ گنڈوں کے چکر میں ہزاروں روپے لوگوں کو دیتے ہیں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پیر فقیر یہ کہہ کر چھوٹ جاتے ہیں کہ ہم نے توڑ کیا تھا، اس نے پھر جادو کر دیا۔ اس طرح ساری عمر، اور وقت بھی ضائع کرتے اور رقم بھی برباد کرتے ہیں۔ یہ نتیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات اور موقع و محل کی دعا اور ذکر سے گریز کا ہے جو بنی نوع انسان کی گوناگوں پریشانیوں سے نجات کے لئے اس مجموعہ میں موجود ہیں۔

ان اذکار اور دعاؤں سے ان شاء اللہ پریشانیوں سے نجات بھی حاصل ہوگی اور اجر وثواب بھی ملے گا اور انسان کا اللہ تعالیٰ سے بندگی کا رشتہ بھی بندھا رہے گا، بلکہ تعلق و رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے گا اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہوگا۔ مسلمان کی یہی سب سے بڑی آرزو اور کامیابی ہے۔